کہ ان میں باہم توازن قائم نہ رہے۔ دوسری بات یہ کہ قدیم وجدید کو ہم آہنگ کرکے ملک وملت کے نئے حالات اور نئی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے جو طریقے وضع ہوں، ان میں تدریج واعتدال کا خاص خیال رکھا جائے۔ بے شک فکر کی رفتار تیز ہوسکتی ہے۔ آپ فکر میں صدیوں پہلے اور صدیوں بعد کے زمانے میں پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن عملی اقدامات کے لئے درجہ بدرجہ اور بالتدریج قدم اٹھانے پڑتے ہیں اور اس میں اعتدال لازمی ہے۔ یوں بھی عمل متحقق ہوتا ہے فکر اور حالات گردوپیش میں مفاہمت (COMPROMISE) سے، اور مفاہمت نام ہی تدریج اور اعتدال کا ہے۔

ہمارے ہاں صنعتیں بڑی سرعت سے پھیل رہی ہیں۔ اور یہ عمل وقت کے ساتھ ساتھ تیز سے تیز تر ہوتا جائے گا۔ صنعتوں کی وجہ سے سائنسی اور ٹیکنیکی فکر ترقی کرے گا۔ اور تعلیم عام ہوگی۔ اس کا لازماً اثر معیشت اور معاشرت پر پڑے گا جس کی وجہ سے قدرتاً ہمارا رہن سہن بدلے گا، اور اس کے ساتھ ہی اندازِ نظر وفکر بھی بدلے گا۔ اب اگر قدیم علوم، قدیم طرزِ زندگی، اور قدیم فکر ونظر کا دھارا اور نئے علوم اور نئے اندازِ زندگی کا دھارا اسی طرح الگ الگ بہتا رہا، تو اس سے قوم دو متخالف ومتخاصم گروہوں میں مستقل طور سے بٹ جائے گی۔ اور یہ نہ قوم کو جذباتی وذہنی طور سے ایک بننے دے گا اور نہ عملی لحاظ سے ہی۔ ان دھاروں کو کہیں تو ایک دوسرے سے قریب لانا چاہیئے۔ علامہ اقبال نے ایک زمانے میں لکھا تھا کہ قوموں کی زندگی میں سب سے کٹھن منزل ہوتی ہے۔ آئین نو سے ڈرنا اور طرزِ کہن پر اڑنا ہمیں اس کٹھن منزل کو اب سر کرنا ہے۔ قدیم جدید کے لئے ایک بہت بڑی قوت ہے۔ اگر جدید اسے اپنا دشمن نہ سمجھے۔ اسی طرح جدید قدیم کو نئی زندگی دے سکتا اور اسے زمانے کے ساتھ قدم بڑھا کر چلنا سکھا سکتا ہے، اگر قدیم جدید کو اپنی بقا کے لئے ضروری سمجھے۔ قدیم وجدید کا ملاپ ہمیشہ کی طرح آج بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

جیسا کہ اخبارات میں آچکا ہے، ادارۂ تحقیقات اسلامی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن ۵ ستمبر ۶۸ء کو اپنے عہدے سے مستعفی ہوگئے۔ اور ان کا استعفیٰ منظور کرلیا گیا۔ اب ڈاکٹر صاحب موصوف کا ادارہ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔